اُمید، حرکت اور روشنی کا پیغامبر

ماہنامہ **پگڈنڈی** امرتسر

(مدیر)
امریک آنند

شمارہ ۱	ماہ جنوری سنہ ۱۹۶۶ء	جلد ۱۴

جانِ سخن

ہندوستان امن کا پرستار ہے۔ ہندوستان اپنے ہمسایہ ملکوں کے ساتھ خوشگوار برادرانہ تعلقات اُستوار کرنے کا خواہش مند ہے۔ ہندوستان نے اپنے غیر محدود وسائل کے باوجود کبھی اپنے سے چھوٹے ملکوں کو نگاہِ تحقیر سے نہیں دیکھا۔ ہندوستان کی دلی تمنّا تھی کہ پاکستان کے ساتھ جو کبھی اس کا ہی ایک حصّہ تھا، دوستانہ تعلقات قائم رکھے جائیں۔ گذشتہ سالوں میں پاکستان کے غیر مصالحانہ رویّہ کے باوجود ہم نے اُس کی طرف تعاون اور اشتراک کا ہاتھ بڑھایا۔ یہاں تک کہ ہمارے سرگباشی وزیر اعظم شری نہرو نے پاکستان کو باہمی مفاہمت اور جنگ نہ کرنے کے معاہدے کی پیش کش بھی کی۔ جسے پاکستان نے ہمیشہ مسترد کردیا۔ کیونکہ اس کی نیت میں فتور تھا۔ جس کا اظہار اُس کے پچھلے دنوں کے جارحانہ حملے سے ہو گیا۔

وزیر اعظم لال بہادر شاستری نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالتے ہی ایک بار پھر باہم جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنے کی پیش کش کی جسے پاکستان نے پہلے کی طرح ٹھکرا دیا۔ حالیہ جنگ بندی کے بعد پاکستان کے آمر صدر ایوب خاں نے اس قسم کے معاہدہ کی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ کشمیر کے مسئلے کا حل پاکستان کی حسبِ خواہش قبول کر لیا جائے۔ کشمیر کا مسئلہ تو سنہ ۴۷ء سے طے ہے۔ پاکستان کو یہ بات

اپنے ذہن سے نکال دینی چاہیئے۔ باہمی مفاہمت کی یہی ایک راہ ہے۔ مسئلۂ کشمیر کی شرط ساتھ لگانے کا مطلب ہے "خوئے بد را بہانہ بسیار"۔ بہرکیف ہم پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنے کے متمنی ہیں۔

پاکستان کے جارحانہ حملہ کے بعد جنگ کے دوران امریکہ اور برطانیہ نے کھلا پاکستان کی حمایت کی اور اس کی حوصلہ افزائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ برطانوی اخباروں نے پاکستان نوازی کا کھل کر مظاہرہ کیا۔ جنگی معاہدوں کے ماتحت امریکہ نے جو اسلحہ پاکستان کو چین کے خلاف استعمال کرنے کے لئے فراہم کیا تھا۔ اور ہندوستان کو یقین دہانی کی تھی کہ اگر پاکستان اگر یہ اسلحہ ہند کے خلاف استعمال میں لائے گا تو امریکہ اس کے خلاف سخت کارروائی کریگا حالیہ جنگ میں اس کا علی الاعلان استعمال کرنے کے باوجود جب ہندوستان نے امریکہ کی توجہ اس طرف دلائی تو اس نے ادھر اُدھر کی باتوں میں ٹال دینے کے سوا کچھ نہیں کیا۔ آزادی اور جمہوریت کے رکھوالوں کی یہ آمریت اور مذہبی جنون نوازی بھی خوب رہی۔

روس انسانیت دوست ہے۔ وہ سب ملکوں کے ساتھ مفاہمت رکھنے کا خواہاں ہے اور سب ممالک کی امداد کرنا چاہتا ہے۔ حالیہ ہند پاکستان جنگ میں روس نے ہندوستان کی امداد کی کیونکہ ہمارا مسلک بر حق تھا۔ جنگ بندی سے پیشتر اور بعد میں روس نے تاشقند میں ہند اور پاکستان کے سربراہوں کو باہمی گفتگو برائے مصالحت کی پیش کش کرکے اپنے خلوص کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ گفتگو ۴ر جنوری ۱۹۶۶ء سے شروع ہوگی۔ روس سرکار اپنی مساعی جمیلہ اس امر پہ صرف کر رہی ہے کہ یہ گفتگو کامیاب ہو تاکہ ہندوستان اور پاکستان جنگی ہتھیاروں کی دوڑ ختم کرکے اپنے اپنے ملک کی تعمیرِ نَو کے اشد ضروری اور اہم کام میں مصروف ہوں اس گفتگو کی کامیابی سے مغربی قوتوں خصوصاً برطانیہ اور امریکہ کے دونوں ممالک میں نفاق اور مخاصمت کی خلیج کو وسیع تر کرنے کے ناپاک عزائم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا۔

ہم اس گفتگو کی کامیابی کے خلوصِ دل سے خواہاں ہیں۔

(بقیہ مضمون صف)

"حقیقی معنوں میں ہماری شادی تو آج ہوگی" اس نے مسکرا کے شمع کو دیکھا۔
"ہم اپنی شادی کی سالگرہ آج ہی کے دن منایا کریں گے ......"
"اور آج ہی ہمارے منے کی پہلی سالگرہ بھی ہے نا"
شمع نے شرماتے ہوئے پالنے کی طرف اشارہ کیا۔
اور سہیل حیرت و مسرت سے دیکھتا رہ گیا۔

رسالہ پگڈنڈی امرت سر

عندلیب زہرا کاظمی اختر (علیگ)

شمعِ وطن

در و دیوار پر اداسیوں کے مہیب سائے چھائے ہوئے تھے۔ فضا پر سکوں اور خاموش تھی۔ صرف کبھی کبھی نوکروں کے بولنے اور باورچی خانے سے برتنوں کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز ماحول کی خاموشی کو چیر دیتی۔ شمع صوفے پر بیٹھی اپنے خوبصورت منّے کو دیکھ رہی تھی ——

منّا! —— جو اس کی اور سہیل کی شاخِ تمنا پر کھلا ہوا ایک خوبصورت غنچہ تھا۔ منّا تمام فکروں سے بے فکر پالنے میں پڑا بڑی گہری نیند سو رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ مسکرا اٹھتا جیسے کوئی بڑا سہانا سپنا دیکھ رہا ہو —— اس نے ایک لمحہ منّے کو دیکھا۔ اور لاشعوری طور پر اس کی نظریں سامنے دیوار پر لگی سہیل کی قدِ آدم تصویر سے ٹکرائیں —— منّا ہو بہو سہیل کا چھوٹا سا نمونہ تھا۔ ویسی ہی بڑی بڑی سیاہ خوبصورت آنکھیں، لمبی سی ناک، سیاہ گھنگھریلے بال، اتنا چھوٹا سا ہونے پر بھی اس کے چہرے پر سہیل جیسا وقار ...... شمع کے سامنے یادوں کا دفتر کھل گیا منّے سے ہٹ کر اس کا ذہن ماضی کی وادیوں میں بھٹکنے لگا ——

دو ننھے منے خوبصورت بچے کھیلتے پھر رہے ہیں۔ لڑکے کے کندھے پر چھوٹی سی بندوق رکھی ہے۔ وہ چڑیوں کو نشانہ بنا تا پھر رہا ہے۔ بچی غصے سے منہ پھلا لیتی ہے ——

"بڑے ظالم ہو تم سہیل بھائی! بے چاری چڑیا کو مار دیا۔ ہائے اللہ تمہیں رحم نہیں آتا۔" وہ روہانسی ہو کر چڑیا کو اٹھا کے اپنی خالہ کے پاس لے جاتی۔

"دیکھئے خالہ جان! سہیل بھائی نے اس کو مار دیا۔"

سہیل مسکراتا ہوا آتا ہے۔

"تم تو بس شمع اتنی اتنی باتوں پر رو دیتی ہو۔ تمہیں معلوم نہیں۔ میں سپاہی ہوں۔ میرا کام ہی مارنا مرنا ہے۔" وہ مدافانہ سے کہتا۔ اس کی ماں سمجھاتیں۔

"نہیں بیٹے سپاہی تو بڑا عظیم ہوتا ہے۔ سپاہی تو اپنے قوت بازو سے دوسروں کو زندگی دیتا ہے۔"

شمع بے جان سی چڑیا کو پانی پلا کے زندہ رکھنے کی کوشش کرنے لگتی ہے۔

"ہائے اللہ اس کے تو خون بھی نکل رہا ہے۔ میں تم سے نہیں بولتی سہیل بھائی۔"

وہ منہ بسور لیتی۔ اور جلدی سے زخم پر مرہم لگانے لگتی۔

"اچھا بھئی خوش ہو جاؤ۔ اب چڑیوں کو نشانہ نہیں بناؤں گا۔"

"شمعی میں میجر بنوں گا تم مجھے میجر سہیل کہا کرو۔"

"اچھا تو تم بھی مجھے ڈاکٹر شمع کہنا۔ میں بھی تو ڈاکٹر بنوں گی۔"

سہیل اور شمع خالہ زاد بہن بھائی تھے سہیل دو سال بڑا تھا۔ دونوں کے بنگلے قریب قریب تھے۔ اس لئے ان کا بیشتر وقت ساتھ ہی گزرتا۔ وہ ساتھ کھیلتے۔ ساتھ کھاتے، اور ایک دوسرے کے بغیر چین نہ تھا۔ اگر کھیل کود میں معمولی سی جھڑپ ہو جاتی۔ تو فوراً میل ہو جاتا۔ اور وہ سارے جہاں

کو بھول کر اپنی معصوم سی کائنات میں گم ہو جاتے۔

بچپن ہی میں دونوں بہنوں نے ان کی آئندہ زندگی کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ذرا بڑے ہوئے تو دونوں نے تعلیمی منزل میں قدم رکھے۔ ذہین تو تھے ہی۔ جلد جلد تعلیمی منزلیں اعلیٰ کامیابی کے ساتھ طے کرتے گئے۔ لیکن دونوں کی دوستی برقرار رہی ——

سہیل کو بخار آگیا ہے۔ بیمار بھائی کو چھوڑ کے شمع اسکول کیسے جائے۔ سارا دن اداس صورت لئے پھر رہی ہے۔ یہی حال سہیل کا تھا۔

شمع کے والد کا ٹرانسفر دوسرے شہر میں ہو گیا۔ شمع بھی اپنے والدین کے ساتھ چلی گئی۔ شروع میں تو یہ جدائی دونوں کو بے حد شاق گزرتی۔ دل اداس، نظریں پریشان۔ لیکن آخر کب تک۔ وقت تو بڑے بڑوں کے زخم مندمل کر دیتا ہے وہ تو بچے تھے۔ اپنی پڑھائی اور نئے دوستوں کی گہما گہمی میں گم ہو گئے۔ چھٹیوں میں شمع اپنے والدین کے ساتھ وطن آتی تو زندگی پھر اپنی پرانی ڈگر پر چلنے لگتی۔ ان کا کوئی پروگرام ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہ ہوتا۔ وقت نے کچھ اور قدم آگے بڑھائے۔ شمع اب لمبی سی نازک سی خوبصورت لڑکی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اس نے میڈیکل کالج میں داخلہ لے لیا۔ سہیل بھی اب ننھا منا سا بچہ نہیں تھا۔ وہ بھی مضبوط جسم کا خوبصورت نوجوان، فوجی ٹریننگ لینے کے بعد مزید تربیت کے لئے روس چلا گیا۔

شمع کے والد روشن خیال لیکن کچھ اصولوں کے پابند تھے۔ بیوی اور سالی کی خواہش کے پیش نظر انہیں سہیل اور شمع کا رشتہ منظور تو تھا۔ مگر انہوں نے سختی سے ممانعت کر دی تھی کہ بچوں کو اس کی خبر نہ ہو۔ وہ اس بات کے سخت خلاف تھے کہ بچپن سے ہی بچوں کے ذہن پر شادی کا تصور مسلط کر دیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں اپنے والدین کے فیصلے سے بے خبر تھے۔ ان میں اب بھی بچپن کی سی بے تکلفی اور شدید محبت تھی۔ آپس میں ہنسی مذاق بھی ہوتا۔ اور چھیڑ چھاڑ بھی۔ لیکن دونوں سنجیدہ تھے۔ اس لئے ان کی شوخی اور مذاق کبھی تہذیب اور شائستگی کے دائرہ سے باہر نہ نکلا۔ دونوں کھلتے تھے۔ اس لئے لازمی طور پر وہ ایک دوسرے کے بہن بھائی، بہترین دوست اور ساتھی اور رازدار سبھی کچھ تھے۔

سہیل جب پہلی بار اپنی سروس سے چھٹیوں میں گھر آیا۔ تو بے حد خوش تھا۔ وہ شمع کے لئے بہت سے تحفے لے کر آیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اپنی اس نئی زندگی کے بارے میں اسے بتائے گا۔ اپنی سروس کے بارے میں، اپنے ساتھیوں اور افسروں کے بارے میں۔

شمع کا خاندان پھر اپنے وطن آگیا تھا۔ ماں سے مل کر وہ سیدھا خالہ کے گھر پہنچا۔ لیکن شمع خلافِ توقع شرمائی سی اور خاموش خاموش رہی۔ اس کی حد سے بڑھی سنجیدگی کو دیکھ کر اسے شمع سے زیادہ بولنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ اسے بہت کوفت محسوس ہو رہی تھی۔ ہاں اس کی شرم اور جھجک کی وجہ اسے اس وقت معلوم ہوئی جب اس سے شادی کے بارے میں مرضی معلوم کی گئی۔ شمع سے شادی میں انکار کی وجہ بھی کیا ہو سکتی تھی۔ وہ بڑی خوبیوں کی لڑکی تھی۔ اور دونوں میں دوستی بھی تھی۔ اس کی رضامندی کے بعد سادگی کے ساتھ منگنی کی رسم ادا کر دی گئی۔ منگنی کے بعد سے تو شمع نے اس کے سامنے آنا بالکل چھوڑ دیا۔

آخری بار وہ طویل چھٹی پر گھر آیا تھا۔ شادی کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ دو ہفتہ بعد اُن کی شادی ہونے والی تھی۔

وہ ایک خوبصورت سی شام تھی۔ شمع اپنے کمرے میں آرام کرسی پر دراز ہلکے ہلکے گنگنا رہی تھی۔ مسرت کی گھڑیاں اُس کے کتنی قریب تھیں۔

"سہیل تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔" اپنی امی کی غم میں ڈوبی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

شمع گھبرا کے باہر نکل آئی۔ اس نے کمرے میں دروازے سے جھانک کر دیکھا۔ سہیل کہہ رہا تھا ——

"ہمارے ملک کی سرحد پر پڑوسی ملک نے بالکل اچانک حملہ کر دیا ہے۔ میں اسی ہفتہ واپس جا رہا ہوں۔ میرا جانا ضروری ہے۔ لیکن آپ مقررہ تاریخ پر شمع کی شادی کر دیں۔ اس کے لئے میں نے اپنے دوست ڈاکٹر کمال کا انتخاب کیا ہے۔ آپ کمال سے پوری طرح واقف ہی ہیں۔"

"خالہ جان شمع مجھے کتنی عزیز ہے۔ آپ خود اندازہ لگا سکتی ہیں۔ جنگ سے زندہ لوٹ کر آنے کے امکانات کم ہوتے ہیں۔ اس لئے میں نے

یہ فیصلہ کیا۔

"سپاہی کو کبھی ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔ میں موت سے ذرا بھی خوفزدہ نہیں۔ خالہ یہ فیصلہ کرتے ہوئے میں ذرا بھی غم محسوس نہیں کر رہا ہوں۔ میں نے تو بہت غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے۔ تاکہ ہماری شمع سکون اور خوشی کی زندگی گزار سکے۔ میں اگر دشمن کو ملک سے نکال کے زندہ لوٹ آیا تو مجھے دیکھ کر خوشی ہوگی کہ شمع میرے عزیز دوست کی شریک حیات ہے۔ شمع میری ہے۔ اور ہمیشہ میری رہیگی۔ کسی بھی روپ میں سہی۔"

"بیٹے! بچپن سے تم دونوں محبوب ہو۔ اس کی شادی تم ہی سے ہوگی۔ میں تمہارے فیصلے کو نہ مانوں گی۔ اور میرا خیال ہے شمع بھی نہ مانے گی۔" اس کی امی نے کہا۔

"خالہ جان!" سہیل کہہ رہا تھا "یہ میری خود غرضی ہوگی کہ میں چند لمحوں کی خوشی کے لئے شادی کر لوں۔ میرے لئے تو یہ تصور بھی ناقابلِ برداشت ہے کہ شمع زندگی کی طویل راہوں پر اکیلی بھٹکتی پھرے۔"

اور شمع نے بھی فیصلہ کر لیا کہ وہ سہیل کے علاوہ اور کسی کو شریک حیات نہیں بنا سکتی۔

سہیل کو سمجھا بجھا کے راضی کر لیا گیا۔ اور دوسرے دن بغیر کسی دھوم دھام کے دونوں کو ازدواجی رشتے میں منسلک کر دیا گیا۔

شادی کے دوسرے دن سہیل ایک نامعلوم مدت کے لئے محاذ جنگ پر واپس جا رہا تھا۔

سہیل ولا پر ایک عجیب سی اداسی چھائی ہوئی تھی۔ اس کی امی اور خالہ چھپ چھپ کے روتی پھر رہی تھیں۔ مگر شمع کے چہرے پر غم کی کوئی جھلک، اور پریشانی کا ذرا سا بھی تاثر نہ تھا۔ وہ بڑی مستعدی سے اس کے سامانِ سفر کی پیکنگ کروا رہی تھی۔ سہیل کو لینے ملٹری کار آ گئی۔

سہیل سب سے آخر میں شمع سے رخصت ہونے آیا۔ دونوں کے چہرے پر فخر و مسرت کا نور بکھرا ہوا تھا۔ اور آنکھوں میں محبت کی تتلیاں ناچ رہی تھیں۔

"شمعی! آؤ مجھے اپنے ہاتھوں سے وداع کر دو۔ دعا کرتی رہنا کہ میں جلد دشمن کو شکست دے کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر لوٹوں اور دیکھو رونا نہیں شمعی یہ آنکھیں میری امانت ہیں رو رو کے خراب نہ کر لینا۔ میں آ کر تم سے اپنی امانت لوں گا —— اچھا خدا حافظ! میری تم سے درخواست ہے شمع رونا نہیں۔ دیکھو جانے والے کی درخواست ٹھکرایا نہیں کرتے ——"

اور وہ چلا گیا۔

شمع کمرے کی کھڑکی سے حدِ نظر تک اُس کی کار کو دیکھتی رہی۔ مگر کار کے اوجھل ہوتے ہی وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی۔ آنسوؤں کی پتلی سی دھار اس کے گالوں پر بہہ نکلی۔ لیکن فوراً ہی اُسے محسوس ہوا جیسے سہیل کھڑا اس سے کہہ رہا ہے۔ "دیکھو رونا نہیں شمعی! جانے والے کی درخواست ٹھکرایا نہیں کرتے ——"

وہ مسکرانے لگی۔ دیکھ لو سہیل میں رو کہاں رہی ہوں۔!

سہیل کے محبت بھرے خط اس کی زندگی کی تاریک راہوں میں اجالے بکھیرتے رہے۔ ہر خط میں وہ اُسے پُرامید رہنے کی تلقین کیا کرتا۔ تمام رشتہ دار اور سہیلیاں بھی اُس کی خاطر میں لگے رہتے۔

کبھی کبھی سہیل کی یاد اُسے بے انتہا بے چین کر دیتی۔ مگر اس کی بے چینی کا اظہار کبھی نہ ہوا۔

"شمعی بیٹے! تمہارے زیور کہاں ہیں؟" ایک دن اس کی خالہ نے انجانے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔

"بیٹی! زیور سہاگ کی نشانی ہوتے ہیں؟ —— وہ سر سے پیر تک اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"خالہ امی! میں یہ زیور آپ کے پاس ہی لا رہی تھی۔ آپ ان کو قومی دفاعی فنڈ میں دے دیجئے۔" ملک کی موجودہ حالت پر قابو پانے کے لئے ہماری فوج کو ہتھیاروں کی ضرورت ہے۔ اور ہتھیار فراہم کرنے کے لئے حکومت کو سونے اور روپیہ کی ضرورت ہے۔ کل رات ریڈیو پر وزیر اعظم کی تقریر

سُنکر مجھے احساس ہوا ہے کہ وطن کے ہر باشندے پر اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق ملک کی فلاح کا کام کرنا فرض ہے۔ جبھی سے میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔ کہ میں اپنا سارا زیور دفاعی فنڈ میں دیدوں گی ــــــ"

خالہ نے اعتراض کیا۔ "کچھ چیزیں دے دو سارا زیور دینے کی ضرورت نہیں۔"

مگر اُس نے کہا۔ "زیور تو پھر بن سکتے ہیں۔ لیکن وطن کی آزادی اور لڑنے والے سپاہیوں کی جانیں تو کہیں ان سے زیادہ قیمتی ہیں۔ خالہ جان! ــــــ"

خالہ کی اجازت پاتے ہی اس نے اپنا زیور دفاعی فنڈ میں دے دیا۔

ایک دن تو اُس نے ایک عجیب سی بات کہی۔

"خالہ جان! ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں خلقِ خدا کی کچھ خدمت کروں۔ اور انسانیت کو موت کے بے رحم پنجے سے نجات دلانے کی کوشش کروں۔ میں فوجی ہسپتال میں کام کروں گی۔ آج کل وہاں ڈاکٹروں کی سخت ضرورت ہے۔"

"بیٹی یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"زندگی کے کسی شعبہ میں عورت مردوں سے پیچھے نہیں رہی۔ دوسروں کی خدمت کا یہ جذبہ آپ ہی نے تو ہم دونوں میں پیدا کیا ہے۔ ... مدت سے میری روح ایک تڑپ ...... ایک کسک محسوس کر رہی ہے۔ شاید اس طرح میرے بے قرار دل کو قرار آ سکے۔ میں بغیر تنخواہ کے کام کروں گی ــــــ" اس کی ضد کے آگے کسی کی نہ چلی۔

لیکن چند مہینے بعد اُسے مجبوراً واپس آنا ہی پڑا۔ وہ سارا دن اپنے کمرے میں پڑی رہتی۔ ہسپتال کی مشغولیت میں اُس نے اپنے آپ کو بالکل گم کر دیا تھا۔ مگر اب بیکار اوقات میں اُسے سہیل کی یاد بے چین کر دیتی۔ اُس کے خط اور اس کی تصویریں اس کی ساتھی تھیں۔ اپنی مسہری کے بالکل سامنے اُس نے سہیل کی فوجی لباس میں قدِ آدم تصویر لگا رکھی تھی۔ وہ سارے وقت اس سے محوِ گفتگو رہتی۔

جنگ نے خطرناک صورتِ حالات اختیار کر لی تھی۔ خالہ اسے سمجھاتی رہتیں۔ "دیکھو بیٹی! تم کچھ بھی نہ سوچا کرو۔" شمع سوچتی۔ ٹھیک ہی تو ہے آج کل تو اسے ہر وقت خوش رہنا چاہیئے۔ اس کے جسم میں اُس کے محبوب شوہر کی نشانی، اُس کا پیار بھرا تحفہ پرورش پا رہا ہے۔ خدا نہ کرے سہیل اگر جنگ میں کام آ جائے تو اس کی نشانی تو موجود رہے گی۔

شمع کو اخبار پڑھنے اور ریڈیو سے خبریں سُننے کی خالہ نے ممانعت کر دی تھی۔ جنگ کی ہولناک خبریں اس پر خراب اثر ڈال سکتی تھیں۔

جنگ میں گم شدہ فوجی افسروں کی فہرست میں سہیل کا نام دیکھ کر اس کی ماں فرطِ غم سے بیہوش ہو گئیں۔ گمشدہ ہونے کا مطلب ہے یا تو وہ مر چکا ہے اور اس کی لاش لاپتہ ہو گئی یا پھر دشمن کی قید میں ہے۔ لیکن شمع کی محبت نے ان کی امیدوں کے چراغ کو روشنی دی۔ بڑے صبر و تحمل سے انہوں نے اپنے جذبات پر قابو پایا تاکہ شمع کو خبر نہ ہونے پائے۔

شمع سہیل کی گمشدگی سے بے خبر اپنے تصور کی دنیا میں گم رہتی۔

"کتنا خوش ہونگے سہیل جب واپس آ کر وہ ایک نیا خوبصورت سا تحفہ پائیں گے! ...... مگر ......" اچانک اس کی خوشیوں پر اوس پڑ جاتی۔ ...... "خدانخواستہ وہ لوٹ کر نہ آئے تو؟؟؟

تو یہی ننھی منی نشانی سہیل کی محبت کے چراغ میرے دل میں جلاتی رہیگی۔" وہ دل کو تسلی دیتی۔ اور اس کے دل میں اپنے ہونیوالے منے کیلئے پیار کا بے پناہ طوفان امنڈنے لگتا۔

راز آخر کب تک راز رہتا۔ سہیل کے خط آنا بند ہو گئے۔ اور اسے سب کچھ معلوم ہو گیا۔ لیکن اُس نے اس غم کو بھی بڑی خوبی سے جھیل لیا۔ سہیل نے اُس سے نہ رونے کی درخواست کی تھی۔ اور اب تو یہ درخواست ایک ایسے شخص کی بن چکی تھی جو ہمیشہ کے لئے جا چکا تھا۔

رسالہ پگڈنڈی امرت سر

اور آج مُنّے کی سالگرہ تھی۔ سہیل کی یاد بار بار اس کے سکون دل میں تلاطم خیز طوفان برپا کر دیتی۔ شام کو سالگرہ کی تقریب ہو رہی تھی۔ اس کی امّی اور خالہ تمام تیاریاں کر رہی تھیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ اہتمام کر کے اس کی اداسیوں کو کم کرنا چاہتی تھیں۔ مگر وہ کسی کام میں حصّہ نہیں لے رہی تھی۔ سہیل کے بغیر تو حقیقی خوشی کا تصور بھی ناممکن ہے۔

لیکن وہ بڑے صبر و ضبط سے کام لیتی رہی۔ اس نے اس وقت بھی صبر سے کام لیا تھا جب اُسے سہیل کی گمشدگی کی خبر ملی تھی۔ اس وقت بھی اس نے ضبط فغاں سے کام نہیں لیا تھا۔ جب مُنّے نے دنیا میں آ کر اُسے احساس دلایا تھا کہ میں سہیل کی یادگار بن کر آ گیا ہوں۔ اُس نے تو اس دن بھی اپنے امڈتے ہوئے آنسوؤں پر قابو پا لیا تھا جب منے نے اپنی توتلی زبان میں اُسے ممی کہہ کر پکارا تھا۔ ممی سُن کر اُس کے دل پر سخت چوٹ لگی تھی۔ بچے تو پہلے باپ کو پکارنا سیکھتے ہیں۔ مگر میرا مُنّا باپ سے محروم ہے۔ ہائے بڑے ہو کر اسے جب معلوم ہوگا۔ کہ اُس کا کوئی باپ نہیں۔ تو کس قدر غمگین ہوگا۔

مگر آج مدتوں کے بند سوتے پھوٹ پڑے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے . . . .

اُس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اور پلکوں پر آنسوؤں کی بوندیں لرز رہی تھیں۔

"شمّی! دیکھو رونا نہیں۔ جانے والے کی درخواست ہے۔" سہیل کی بھاری آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔

"اُف کس قدر ظالم ہو تم سہیل۔ مجھے چھوڑ کے چل دیے۔ اس پہ ستم یہ رونا بھی نہیں۔" اُس نے آنسو پونچھ ڈالے۔

مُنا جاگ گیا تھا۔ پہلے تو وہ ہنستا رہا۔ پھر کسی اپنی طرف متوجہ نہ پا کر وہ رونے لگا۔ آج شمّع اپنے خیالوں میں ایسی کھوئی ہوئی تھی کہ منے کی سسکیاں بھی اُسے متوجہ نہ کر سکیں۔

وہ خیالوں سے چونک پڑی۔ کسی نے اچانک پیچھے سے اس کی آنکھیں بند کر لیں۔

"چھوڑ دو بھئی کون ہے؟" . . . . اُس نے ہاتھ سے ٹٹولتے ہوئے کہا . . . . . "شہناز . . . . ارے کملا ہو گی"۔

"اچھا فہمیدہ ہے . . . . . . ہائے میری آنکھیں دکھنے لگیں۔ خدا کے لئے میری آنکھوں پر رحم کرو۔ اور جو چاہے سزا دے لو اس کے بدلے میں ——" اس کے منہ سے بے خیالی میں نکل گیا۔

"اوہو! آنکھیں بڑی عزیز ہیں۔" اس کی رشتہ کی بہن راشدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں آنکھیں . . . . . . کیوں نہ عزیز ہوں ——" کہتے کہتے وہ پھر اُداس ہو گئی۔

اور جب آنے والے نے اس کی آنکھیں چھوڑ دیں۔ تو وہ حیرت سے کئی لمحہ تکتی رہی۔

"سہیل . . . . . . سہیل . . . . میں . . . . . خواب دیکھ رہی ہوں یا حقیقت ہے یہ . . . . . بتاؤ نہ سہیل۔"

اس نے سہیل کو جھنجھوڑ ڈالا۔

"ہاں میں تمہارے خوابوں کی تعبیر تمہارا سہیل ہوں۔" سہیل نے جذبات اور خوشی سے لرزتی آواز میں کہا۔

"شمّو! تمہیں اچانک لوٹ آنے پر حیرت ہو رہی ہے نا؟ میں دشمن کی قید میں تھا جب جنگ رک گئی۔ تو قیدیوں کا دونوں ملکوں نے تبادلہ کر لیا۔ لیکن مجھے اور میرے دو ایک ساتھیوں کو رہا نہیں کیا گیا۔ ہم بڑی مشکل سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ہماری حالت بیحد خراب تھی۔ زندہ بچنے کے امکانات بہت کم تھے۔ اس لئے میں نے دانستہ طور پر گھر یہ خبر نہیں ہونے دی۔ فوجی اسپتال میں ہم کو بہت عزت اور احترام سے رکھا گیا۔ اب میں بالکل صحت یاب ہوں۔ اور پرسوں ہی مجھے اسپتال سے ڈسچارج کیا گیا ہے۔"

آج ہماری زندگی کا کتنا مبارک دن ہے شمّو۔ ہاں ایک خوش خبری سُنو۔ حکومت نے میری بہادری کے صلہ میں مجھے "ویر چکر" دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور مجھے میجر بنانے کی تجویز بھی زیر غور ہے۔ آج سے ہماری زندگی نئے سرے سے شروع ہو رہی ہے۔ مجھے تو نئی زندگی ملی ہے۔

(بقیہ تحت صفحہ ۲)

NO - 1
VOL - 14

REGD. P - 68
JANUARY 1966

سرفروشو!

حلقۂ زنجیرِ ظلمت توڑنے کے واسطے
قصرہائے جنگ و دہشت توڑنے کے واسطے
اور غرورِ بربریت توڑنے کے واسطے

سربکف آگے بڑھو اے سرفروشو جنگ میں
رنگ ڈالو خاک، دشمن کے لہو کے رنگ میں

کھینچ کر شمشیرِ عریاں باندھ کر سر سے کفن
عرصۂ پیکار میں کودو مثالِ تہمتن
نرغۂ اعدا میں بن جاؤ اجل کا بانکپن

بجلیاں بن بن کے کوندو موت کے بازار میں
اور صف کے صف الٹ دو بڑھ کے اک اک وار میں

سینۂ ارض و سما کو چاک کرکے چھوڑنا!
اٹھ گئے جس خاک کرنے خاک کرکے چھوڑنا!
آج قبضہ دشمنوں کا پاک کرکے چھوڑنا!

دیکھتے کیا ہو اڑاؤ دھجیاں اے ساتھیو!
دیکھنا دشمن نہ اب پائے اماں اے ساتھیو!

اربک سنگھ آنند پرنٹر پبلشر و مالک نے دنیز ہند پریس ہال بازار امرتسر سے چھپوا کر دفتر رسالہ پگڈنڈی ہال بازار امرتسر سے ۱۶ جنوری کو شائع کیا